بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

نظرات

حال ہی میں حکومتِ پاکستان کی وزارتِ تعلیم و سائنسی تحقیقات کی طرف سے نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلے میں جو تجاویز شائع ہوئی ہیں ان میں من جملہ دوسری باتوں کے اس پر بھی بہت زور دیا گیا ہے کہ اس وقت پاکستان میں جو دینی مدارس اور جدید سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے یہ جو دو الگ الگ نظام ہائے تعلیم ہیں جو جاری ہیں، ان دونوں کو مدغم کر کے ایک کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان کے موجودہ نظامِ تعلیم کی بنیادی خرابی کا ذکر کرتے ہوئے تجاویز میں بتایا گیا ہے کہ ایک طرف جدید نظامِ تعلیم ہے جو برطانوی حکومت نے اس مقصد سے یہاں رائج کیا تھا کہ اسے اپنے نظم و نسق حکومت کے اہل کار خاص کر کلرک ملتے رہیں چنانچہ اس میں ایک آزاد اور ترقی پذیر قوم کی سیاسی، سماجی اور معاشی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ دوسری طرف قدیم نظامِ تعلیم ہے، جو مسلمانوں کے اس دور کی یادگار ہے، جب وہ [illegible] کے [illegible] تھے۔ بے شک اس نظامِ تعلیم نے اس دور میں [illegible] پیدا کئے۔ اور ان کے [illegible] اسلامی علوم و فنون کے [illegible] لیکن چونکہ یہ مدارس [illegible] تعلیم [illegible] [illegible]

پتہ ہے۔ دونوں کے ذہن، رجحان، کردار یہاں تک کہ خواہشیں اور آرزوئیں تک الگ الگ ہوتی ہیں۔ اب دونوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمتوں میں جا رہے ہیں۔ ان حالات میں قومی وحدت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور یہ ملّت فکراً اور عملاً کس طرح ایک بن سکتی ہے۔

اس دوعملی کا تدارک کیسے ہو؟ تجاویز میں یہ کہا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ قدیم نظام تعلیم کو بالکل ختم کر دیا جائے لیکن مجوزہ تعلیمی پالیسی میں اس سے اتفاق نہیں کیا گیا۔ اس کے نزدیک یہ اقدام نہ تو صحیح ہو اور نہ دانشمندانہ۔ پاکستان کے پیش نظر تو نظریاتی وحدت ہونی چاہیئے نہ کہ نظریاتی خلا۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی اور قدیم وجدید دونوں کا جامع اور دونوں سے مرکب نظام تعلیم مرتب ہو جو اسلام کی تعلیمات پر مبنی مشترک تہذیبی قدروں کی تلقین کرے۔ اسلامیات اپنے وسیع معنوں میں دسویں جماعت تک ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جائے اور اس کے بعد وہ اختیاری مضمون ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یونیورسٹیوں میں تحقیقات اسلامی کو مقدم رکھا جائے۔ اور اس سے جو نتائج مرتب ہوں، قانون، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے جو اجتماعی علوم ہیں، ان میں بتدریج انہیں داخل کیا جائے۔

ظاہر ہے قدیم اسلامی علوم اور ان جدید علوم کے اس طرح کے ارتباط سے ایک کا دوسرے پر اثر پڑے گا اور ہمارا اسلامی فکر جو صدیوں سے ایک مقام پر آکر ٹھہر گیا ہے، اس میں حرکت پیدا ہو گی۔ اور وہ رواں زندگی سے آشنا ہو سکے گا۔ دوسری طرف جدید علوم والے قدیم اسلامی علوم میں بہت سی ایسی باتیں پائیں گے جن سے ان کی معلومات میں اضافہ ہو گا اور انہیں ذہنی گہرائی میسر آئے گی۔ قوموں میں علمی وفکری پختگی اسی طرح آتی ہے۔ اور "راسخین فی العلم" اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

ماضی سے کٹ کر کوئی قوم پائیدار اور عمیق فکر پیدا نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ ماضی کا رشتہ حال سے قائم ہو۔ اگر ایک نگاہ حال و مستقبل پر ہو تو دوسری ماضی کی طرف رہے، اسی طرح علامہ اقبال نے فرمایا:

از نفسہائے رمیدہ زندہ شو

گزرے ہوئے سانسوں سے زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔

جدید سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تو قدیم نظامِ تعلیم کے صالح عنصر کو داخل کرنے کی یہ تجویز

ہے۔ اور قدیم دینی مدارس میں جدید نظامِ تعلیم کے صالح عنصر کو داخل کرنے کے بارے میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ان مدارس میں ریاضی اور سائنس کے مضامین پڑھائے جائیں۔ اور ان مدارس میں اس وقت جو استاد ہیں، انہیں ان مضامین کو پڑھانے کی ٹریننگ دینے کا خاص انتظام کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی دینی مدرسوں اور جدید سکولوں میں تعلیم پانے والوں کو اپنی کلاسوں کے اعتبار سے مساوی سطح پر رکھا جائے تاکہ دینی مدرسوں سے فارغ ہونے والے طالب علم وہ تمام ملازمتیں حاصل کرنے کے حق دار ہو سکیں، جن کا انہیں کے معیار کے جدید سکولوں کے فارغ التحصیل ہی آج حق رکھتے ہیں۔

اگر ایک دینی مدرسے کا طالب علم وہی علمی استعداد بہم کرتا ہے جو ایک سکول کا طالب علم رکھتا ہے، تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے بھی سرکاری ملازمتوں کے وہ تمام دروازے کھلے ہوں جو دوسروں کے سامنے کھلے ہیں۔ اصل سوال تو استعداد اور معیار کا ہے۔ اگر دینی مدرسوں میں سائنس، ریاضی اور اس طرح کے دوسرے مضامین پڑھائے جانے لگیں، تو ان میں تعلیم پانے والے کسی لحاظ سے بھی سکولوں میں تعلیم پانے والوں سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

یہ سب صحیح، لیکن اس وقت دینی مدارس کی جو حالت ہے، اس کو دیکھتے ہوئے مجوزہ تعلیمی پالیسی کی اس رائے پر کیسے عمل ہو سکے گا؟ سکولوں میں پڑھنے والوں کو تو پرائمری، مڈل اور میٹرک کے امتحانات دینے پڑتے ہیں۔ ان کے ذریعے ایک حد تک ہی سہی ان کی علمی استعداد کی جانچ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد ان کو ملازمتوں میں جانے کا حق مل جاتا ہے۔ لیکن جب تک دینی مدارس کے طلبہ اس طرح کے امتحانات میں نہ بیٹھیں، انہیں سکولوں کے طلبہ کا مساوی درجہ ملنا ناممکن ہوگا۔ ہونا یہ چاہیئے کہ ایک طرف تو دینی مدارس میں جدید مضامین پڑھانے کا انتظام کیا جائے اور دوسری طرف وہاں کے طالب علموں کو سرکاری امتحانوں میں بیٹھنے کا پورا حق ہو۔ اور ان کا دینی مدرسوں میں پڑھنا اس میں رکاوٹ نہ بنے۔

مصر میں اس طریقہ کار پر عمل کیا گیا۔ اور وہ کامیاب رہا۔ وہاں جامعہ ازہر کے تحت ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ شروع میں ان ازہری مدارس اور جدید تعلیم کے سکولوں میں مختلف مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ ازہری مدارس میں جدید مضامین داخل ہوتے گئے۔ البتہ ان میں دینی تعلیم کا پہلو ذرا غالب رہا۔ آگے چل کر یہ ہوا کہ پرائمری اور مڈل کلاسوں میں ازہری اور جدید سکولوں کے طلبہ ایک ہی علمی سطح پر آ گئے۔ پھر بتدریج میٹرک تک دونوں میں مساوات ہو گئی۔ اب ازہر کے کالج کی تعلیم جدید کالجوں کے برابر ہو گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ازہر اور دوسرے کالجوں کے فارغ التحصیل طلبہ کا اب ایک ہی درجہ ہے اور اپنی اپنی علمی استعداد کے مطابق وہ سرکاری ملازمتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ دینی اور دنیوی تعلیم میں مصر میں جو تقریباً ایک صدی تک

ہمیشہ رہا۔ وہاں اس خلیج کو اس طرح بھرا گیا ہے۔

اس سلسلے کی تجاویز میں مشرقی پاکستان میں دینی مدارس کا جو نظام ہے، اس کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں ایک مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ہے، جو مشرقی پاکستان کے تمام دینی مدارس کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ بورڈ ان کے نصاب اور تعلیمی استعداد پر نظر رکھتا ہے اور ایک طرح سے یہ اس بورڈ کے ماتحت۔ ان مدارس کے مختلف درجوں میں چھ لاکھ طالب علم ہیں، بتایا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان کے ان مدارس میں ان مضامین کو جو نئی تعلیمی پالیسی میں تجویز کئے گئے ہیں، بغیر کسی دقت کے داخل نصاب کیا جا سکتا ہے۔ ان تجاویز کے الفاظ میں "اگر ایک دفعہ ایسا ہو گیا تو جو بھی ان مدارس سے فارغ التحصیل ہوں گے، وہ اُن تمام ملازمتوں میں اسی طرح لئے جانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ جیسے کہ عام سکولوں اور کالجوں کے فارغ التحصیل طلبہ"

مشرقی پاکستان میں تو یہ مسئلہ یوں حل کیا جا سکتا ہے، لیکن سوال یہ ہے مغربی پاکستان میں کیا ہو؟ یہاں جو دینی مدارس ہیں، وہ بے شمار ہیں، نہ تو ان کے معیار ایک سے ہیں، اور نہ وہ ایک ہی نصاب تعلیم پڑھاتے ہیں۔ پھر دوسری دقت یہ ہے کہ مدارس مختلف مذہبی فرقوں کے ہیں۔ اور انہیں کسی نظام کے تحت لانا بڑا مشکل ہے۔

نئی تعلیمی پالیسی میں تجویز کیا گیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی طرح یہاں بھی ایک صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ بنے۔ اور وہ دینی تعلیم کو کنٹرول کرے۔ یہ تجویز نہایت ہی مناسب ہے، اور اسے جتنی جلد نافذ کیا جائے، اس صوبے کی نہ صرف دینی تعلیم بلکہ عام زندگی کے لئے بہتر ہو گا کیونکہ اس وقت یہاں جو دینی مدارس ہیں، وہ جس طرح چلائے جاتے ہیں۔ ان میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ اور پھر ان میں سے پڑھ کر جو نکل رہے ہیں، ان کی وجہ سے صرف "دینی" اور "دنیوی" طبقوں میں ہی کھچاؤ اور منافرت پیدا نہیں ہو رہی، بلکہ خود مختلف دینی فرقوں میں وہ روز افزوں اختلافات کا باعث بن رہے ہیں۔ اس صورتحال کو اگر مزید بگڑنے سے نہ روکا گیا تو مذہب جو دراصل اس مملکت کا نظریاتی اساس ہے اور یہی اس کے وجود میں آنے کا محرک بنا تھا، خدانخواستہ لوگوں کو مختلف گروہوں میں بانٹنے کا باعث بن جائے گا، اور وہ وحدتِ قومی جو آج ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے، اس کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔

مغربی پاکستان میں مذہبی تعلیم اور مذہبی مدرسے آج جس ڈگر پر چل رہے ہیں، وہ اس نظریاتی مملکت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں پر تو حکومت کا کنٹرول ہے۔ اور وہ کنٹرول اور

زیادہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح پرائیویٹ تعلیمی اداروں اور مشنری سکولوں اور کالجوں کو حکومت ایک خاص نظام کے تحت لاسکتی ہے۔ لیکن یہ ہزارہا ہزار دینی مدرسے جن کے نصابِ تعلیم، ان کے نظم ونسق، ان کی آمدنی وخرچ، ان میں پڑھانے والوں کی علمی استعداد اور ان میں پڑھنے والوں کے معیاروں پر کسی قسم کی کسی بھی طرف سے کوئی نگرانی نہیں، اور ان کے مہتمم جو بھی چاہتے ہیں، کرتے ہیں، آخر یہ انار کی قوم کو کدھر لے جائے گی۔ اس کا جلد سدّباب ہونا چاہیئے۔ اور اگر نئی تعلیمی پالیسی نے اس کا کوئی حل ڈھونڈھ لیا، تو یہ ملک کی اتنی بڑی خدمت ہوگی کہ اُس کا اثر ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اس میں شک نہیں کہ ایک وقت میں دینی مدارس نے ملّتِ اسلامی کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اجنبی تسلّط کے دَور میں یہی مدارس تھے جنہوں نے مذہبی تعلیم کو زندہ رکھا اور اسلامی روایات کو مغرب سے آنے والے سیلاب سے بچایا۔ اس عہد میں ان مدارس کا برطانوی حکومت کے عمل دخل سے آزاد رہنا ضروری بھی تھا اور مفید بھی۔ لیکن آج حالات دوسرے ہیں۔ موجودہ حکومت قومی و اسلامی حکومت ہے، اسے ملک کے ہر شعبے کی اصلاح کرنا ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ دینی تعلیم کا شعبہ جو اس مملکت کے لئے قومی تعمیر کا سب سے اہم اور سب سے موثر شعبہ ہے، حکومت سے بالکل بے تعلق رہے اور قوم و ملک کی ضرورتوں کا اس میں کوئی خیال نہ رکھا جائے۔

جب تک دینی و دنیوی تعلیم کے درمیان گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں جو گہری خلیج پیدا ہوگئی ہے اسے اس طرح بھرا نہ جائے گا کہ دینی مدرسوں میں تو ریاضی، سائنس اور دوسرے سماجی علوم داخلِ نصاب کئے جائیں اور سکولوں، کالجوں میں اسلامیات ایک لازمی مضمون ہو، دینی مدارس اور جدید مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ ایک سطح پر نہیں آسکیں گے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کی دنیا الگ الگ ہوگی۔ اور جب تک یہ نہیں ہوتا ایک متحدہ قوم کا تصور کبھی عملی جامہ نہیں پہن سکے گا خواہ ہم لاکھ اپنے آپ کو ایک نظریاتی مملکت کہیں۔

حکومت کی طرف سے ان بائیس برسوں میں پہلی بار دینی تعلیم اور دینی مدارس کے سوال کو اٹھایا گیا ہے۔ ہم وزارتِ تعلیم و سائنسی تحقیقات کے اربابِ حل وعقد کی خدمت میں عرض کریں گے کہ یہ سوال بڑا اہم ہے۔ اور اس کے صحیح حل پر قوم کے تمام مستقبل کا انحصار ہے، ان دو نظام ہائے تعلیم کو جو ایک دوسرے سے اجنبی، ایک دوسرے کی بات نہ سمجھنے والے، بلکہ ایک دوسرے کے مدِّمقابل اور مخالف افراد

پیدا کر رہے ہیں، قائم رکھتے ہوئے ایک متحدہ قوم کیسے بن سکتی ہے۔ ان دونوں نظاموں کو باہم سمو کر ایک جامع و مرکب نظامِ تعلیم بروئے کار لانا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

اقوام متحدہ کا ایک ادارہ یونیسکو نام کا ہے، جس سے مراد تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم ہے جو کہ اقوام متحدہ کے تحت ہے۔ یونیسکو نے "انسان کا پیدائشی حق" کے نام سے ۵۹۰ صفحات کی انگریزی زبان میں ایک کتاب مرتب کرائی ہے، جو انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی بیسویں سالگرہ کے موقع پر شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب میں انسانی حقوق کے ضمن میں مختلف عنوانات کے تحت وہ عارفانہ ارشادات اور حکیمانہ اقوال مرتب کئے گئے ہیں جو انسانیت کی گزشتہ پانچ ہزار سال کی تاریخ میں اس بارے میں مشہور ہوئے۔ "پاکستان ٹائمز" کے نمائندہ مقیم اقوامِ متحدہ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ اس تاریخی کتاب کی ترتیب میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویؐ سے کافی مدد لی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک عنوان "عالمگیر انسانی اخوت" ہے۔ اس کے تحت یہ حدیثیں درج ہیں:- تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ جو شخص عصبیت برتتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں۔ ذمی (غیر مسلم) پر ظلم کرنے والے کے خلاف میں (رسول اللہ صلعم) لڑوں گا۔ اسی سلسلے میں قرآن کی یہ آیتیں دی گئی ہیں:-

(۱) یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ۔ النساء:۱ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔)

(۲) ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن لیبلوکم فی ما اتاکم فاستبقوا الخیرات الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون۔ المائدہ: ۴۸ (اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امّت بنا دیتا لیکن وہ تمہیں جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے، اس میں آزمانا چاہتا ہے پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے مسابقت کرو۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو، وہ تمہیں مطلع کرے گا۔)

مظلوموں کی حمایت کرنے کے سلسلے میں سورۃ النساء کی ایک آیت کا ترجمہ دیا ہے، جو یہ ہے:- تم کیوں اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے۔ اور ان مردوں، عورتوں اور بچوں کے جو کمزور ہیں۔ اور اسی مضمون کی دو حدیثیں بھی دی گئی ہیں۔

مذہبی آزادی کے بارے میں ذیل میں قرآن کی دو آیتوں کا ترجمہ درج ہے۔ ایک سورہ بقرہ کی:-
لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (۲۵۶) اور دوسری سورہ یونس کی:-
ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (۹۹)

"ہر ایک کے ساتھ پورا پورا انصاف ہونا چاہیئے"، اس عنوان کے تحت سورہ النساء کی آیت ۱۳۵ کا یہ ترجمہ دیا گیا ہے۔"اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے خواہ اس میں تمہارا اپنا یا تمہارے والدین کا یا رشتہ داروں کا نقصان ہو۔"

معاشی انصاف کے عنوان کے تحت کئی ایک حدیثیں ہیں، جن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جو خود پیٹ بھر کر کھالے اور ہمسایہ بھوکا رہے، وہ مسلمان نہیں۔

اخوت، مساوات، عدل و انصاف، مذہبی آزادی اور فلاح عامہ و معاشی انصاف کے بارے میں اسلام نے جو عالمگیر اصول پیش کئے ہیں، کتنی خوشی کی بات ہے کہ اقوام متحدہ نے ان کی افادیت و اہمیت محسوس کی۔ اور اتنے وسیع پیمانے پر ان کی نشر و اشاعت کا انتظام کیا۔ بے شک اسلام ایک مخصوص ملت کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کا اپنا قانون ہے۔ وہ ایک خاص نظام دیتا ہے۔ لیکن ان سب چیزوں کے اندر اسلام کی عالمگیر روح رواں دواں ہے۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہم نے جزو کو پورے کا پورا کل سمجھ لیا۔ اور یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ جزو رہتے ہوئے ہمیں اپنی نظر کل پر رکھنی چاہیئے۔ اور اسلام کی عالمگیریت کو کارفرما رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے۔

اسلام آج دنیا کو بہت کچھ دے سکتا ہے۔ دنیا اس وقت جن سنگین مسائل سے دوچار ہے، ان کا حل اسلام میں ہے، لیکن اس کے لئے ہمیں اسلام کی حقیقی روح کا کھوج لگانا اور اس کی عالمگیریت کو آشکارا کرنا ہوگا۔